© rasailojaraid.com

انفرادی ملکیت اسلام میں

نعیم صدیقی

(۲)

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

گذشتہ اشاعت میں جو مدعا پیش کیا گیا ہے، اس کی افادیت کی تکمیل چند غلط فہمیوں کا ازالہ کئے بغیر نہیں ہوسکتی۔ یہ غلط فہمیاں وہ ہیں جو اسلامی اور غیر اسلامی تصورات کے تصادم سے رونما ہوئی ہیں، اور ان کو اپنی جذباتی تحریروں، تقریروں اور گفتگوؤں نے ہوا دی ہے جن میں اسلام کے اصل مآخذ سے کوئی ٹھوس استدلال کم ہی کیا گیا ہے۔ یہاں ان کے بارے میں ضروری تصریحات عرض کی جا رہی ہیں۔

محض محنت ذریعۂ ملکیت نہیں

مارکسی فلسفے نے اس خیال کو پھیلانے میں پوری طرح سرگرمی دکھائی ہے کہ ملکیت صرف محنت سے قائم ہوتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا جائز ذریعہ مالک بننے کا نہیں ہے۔ اس فلسفے کے علمبردار جو اتفاق سے مسلمانوں کے سے نام رکھتے ہیں، قرآن سے ایک بُرہانِ قاطع لیس للانسان الا ما سعی سے اخذ کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کو اگر سیاق و سباق سے الگ کرکے موضوعِ معاد کی بجائے موضوعِ معاش سے وابستہ کرنا جائز ہو تو پھر اس کے الفاظ جو کچھ تقاضا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر شخص صرف اپنی ہی محنت سے اپنی ساری ضروریات پوری کرے۔ پھر نہ تبادلہ جائز ہوگا، نہ ہدیہ و صدقہ، نہ سرمایہ داری و شراکت، نہ مزارعت و مضاربت۔ تمدن کے معاملات کے ہزاروں پہلو حرام ٹھیریں گے، جنھیں خود شریعتِ الٰہی نے صراحت کے ساتھ حلال ٹھہرایا ہے اور جو نبی صلعم اور صحابہ نے عملاً اختیار کئے ہیں۔ مثلاً آپ کسی قلی کو معاوضہ دے کر بوجھ اٹھواتے ہیں، کسی نائی اور موچی کی خدمات حاصل کرتے ہیں، ایک بیوہ عورت اپنی زمین مزارعت کے لئے دیتی ہے، ایک یتیم بچے کا تانگہ شراکت کے اصول پر کوئی اکہ بان چلاتا ہے۔ ایک کمپنی کے ہزاروں حصہ داروں کا مشترک کاروبار کچھ ڈائرکٹر چلاتے ہیں، ایک مسافر کسی کرائے کے مکان کو رہائش کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کرتا ہے تو مارکسی حضرات کا مفہوم "ما سعیٰ" فتویٰ دے گا کہ یہ سب کچھ حرام ہے۔ خود محنت کر دو، دوسروں کی محنت کو خرید کر یا اس کے نتائج کو بالمعاوضہ حاصل کر کے اگر تم نے کچھ کیا تو یہ قرآن کی خلاف ورزی ہو جائیگی اور اس طرح سے جو ملکیتیں نمودار ہوں گی وہ سب ناجائز اور قابلِ سلب ٹھہریں گی۔

پس یہ ایک انتہائی لغو فلسفہ ہے جس کو نہ قرآن سے تعلق ہے، نہ عملی حالات سے۔

لیس للانسان الا ما سعیٰ کا اصل مفہوم سمجھنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ محض اس ایک ٹکڑے کو اصل کلام سے الگ کر کے اس کا کوئی ترجمہ کر لیا جائے، بلکہ اس کو اصل بیان میں دیکھا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ ان الفاظ سے فلسفۂ ملکیت تعمیر کرنے والوں نے کبھی ایک مرتبہ بھی سورۂ النجم کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا بھی نہیں ہوگا۔ ان سے پوچھ دیکھئے کہ اس سورۂ النجم کا نفسِ مضمون کیا ہے اور اس کا عمودِ کلام کیا ہے تو وہ کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

یہ حرکت کہ کسی کے کلام میں سے ایک فقرہ نکال کر اس کو من مانے معنی پہنائے جائیں، انتہائی بداخلاقی میں شمار ہوتی ہے جسے لوگ بددیانتی کہتے ہیں۔ یہ حضرات اس طرح کی بددیانتی کسی عام سیاسی ورکر کی تقریر یا کسی ادنیٰ اخبار نویس کے افتتاحیے کے ساتھ تو کرنے کی جرأت نہیں رکھتے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے ساتھ اس حرکت کو روا رکھنے میں پوری طرح بیباک ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ شاید قرآن سے ساری دنیا انہی کی طرح جاہل واقع ہوئی ہے۔

سورۂ النجم کا سلسلۂ مطالب یوں چلتا ہے کہ :-

(۱) نبی صلعم کا سر نہیں پھر گیا، وہ من گھڑت باتیں نہیں کہتے، بلکہ ان کی ہر بات وحی کے مطابق ہے۔

(۲) یہ وحی ایک قوی و امین فرشتے کے ذریعے آتی ہے

(۳) نبی صلعم کو اپنے آقا سے حقیقی قرب حاصل ہو چکا ہے اور اُس نے جو کچھ چاہا وہ کچھ آپ پر براہِ راست وحی کیا ہے۔

(۴) نبی صلعم نے ایک کیفیت چشمِ بصیرت سے دیکھی ہے اور اُن کے دل نے اُس کی تکذیب نہیں کی، بلکہ اسے قبول کیا ہے۔

(۵) اب تم ــــــ اے کفارِ مکہ ــــــ نبی صلعم سے ایسے معاملے میں جھگڑتے ہو جسے آپؐ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود دیکھا اور محسوس کیا ہے ؟

(۶) خود اپنے گریبان میں منہ ڈالو کہ تم لات، منات اور عزیٰ کو الٰہ بنائے ہوئے ہو اور ان کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہو، حالانکہ اس کے لئے نہ تم پر وحی کی گئی، نہ تم کو اللہ کی حقیقتوں کا بچشم بصیرت سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ـــــ یہ تم نے خود ہی نام گھڑ لئے ہیں جن کے لئے کوئی دلیل نہیں۔

(۷) تم محض ظن و قیاس پر جان دے رہے ہو۔

(۸) کیا انسان کو دہی کچھ مل جاتا ہے جس کی اپنے قیاسات کے پیش نظر وہ ہوس کرنے لگے ؟

(۹) حالانکہ دنیا و آخرت کا سارا معاملہ اللہ کے اپنے بس میں ہے اور اس کے سامنے اس کے اذن کے بغیر کسی کی سفارش نہیں چلتی۔

یہ ہے سلسلۂ کلام جس میں نبی صلعم کی نبوت اور حقیقتِ وحی پر گفتگو شروع ہوتی ہے اور خطاب کفار و مشرکین سے ہے اور ان کی بُت پرستی اور مشرکانہ عقائد کا تذکرہ ہے جن کی بنا پر وہ نبی صلعم کو جھٹلاتے ہیں، اور اسی سلسلۂ کلام کے تحت بات یہاں پہنچتی ہے کہ :۔

لیجزی الذین اساءوا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ۔ یعنی برا کرنے والوں کو بُرا بدلہ ملے گا اور بھلائی کرنے والوں کا انجام بھلا ہو گا۔

اور یہ کہ "الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" یعنی کیا ان لوگوں کے پاس صحفِ موسیٰؑ و ابراہیمؑ کے ذریعے یہ بات واضح نہیں کر دی گئی ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

"وان لیس للانسان الا ما سعیٰ" اور یہ کہ انسان کے پلے بجز اس کے کچھ نہ پڑے گا جس کے لئے اس نے دوڑ دھوپ کی ہو گی۔

"وان سعیہ سوف یُریٰ"۔ اور یہ کہ اس کی کمائی یقیناً اس کے سامنے لا رکھی جائے گی۔

"ثم یجزٰہ الجزاء الاوفیٰ"۔ پھر اسے پورے کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

"وان الیٰ ربک المنتھیٰ" اور یہ کہ آخر کار حاضری تیرے رب کے سامنے ہونے والی ہے۔

پھر اس سلسلۂ کلام کے تحت یہ باتیں آگے آتی ہیں کہ :۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) اللہ ہی کے بس میں مسرت بھری زندگی بھی ہے اور دکھیا راجیون بھی۔

(۲) وہی مارتا اور جلاتا ہے۔

(۳) اسی نے مذکر و مؤنث کے جوڑے بنائے ۔۔۔ مادۂ حیات سے جبکہ وہ رقصندہ تھا!

(۴) اور دوبارہ جلا اٹھانا بھی اسی کے ذمے ہے۔

(۵) وہی مال و دولت دینے والا ہے۔

(۶) وہی مشرکین عرب کے معبود شعریٰ ستارے کا رب ہے۔

(۷) اور وہی ہے جس نے عاد کو، ثمود کو، گروہ فرعون کو ختم کیا، کیونکہ وہ انتہائی ظالم اور شقی بن گئے تھے۔

اس طرح اپنی ربوبیت و الٰہیت اور اپنے بے پناہ اختیارات کا تذکرہ کرتے ہوئے پھر الیٰ ربک المنتہیٰ کی طرف بات لوٹا دی کہ:۔

ازفت الازفۃ۔ جب آ پہنچے آنے والی گھڑی۔

لیس لھا من دون اللہ کاشفہ۔ کوئی نہیں اللہ کے سوا اس کی گرفت کی گرہ کو کھول دکھانے والا!

پھر خاتمے پر مشرکین سے سوال کیا جاتا ہے کہ:۔

افمن ھذا الحدیث تعجبون؟ کیا یہی بات ہے جس پر تم کو حیرت ہوتی ہے؟

وتضحکون ولا تبکون؟ اس پر تم رونے کے بجائے ہنستے ہو؟

وانتم سامدون! اور تم ہو ہی غفلت زدہ!

اب غور کیجئے کہ کیا اس سورت کا موضوعِ اصلی یا کوئی موضوعِ ضمنی معاشیاتی ہے؟ اس میں تو کہا یہ جارہا ہے کہ نبی صلعم کی دعوت کو تم جھٹلاتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ شخص من گھڑت باتیں کہہ رہا ہے، حالانکہ یہ وحی کردہ پیغام کو تم تک پہنچا رہا ہے۔ اس حقیقت بیں کے پیغام کو جھٹلا کر تم اپنے قیاسات کو بڑی اہمیت دیتے ہو لیکن تم اپنے قیاسات کے تحت جو کچھ خواہشات اور تمنائیں رکھتے ہو یہ پوری ہونے کی نہیں ہیں، کیونکہ تمہارے اصنام آلہہ اللہ کے حضور بالکل بے بس ہیں، اختیار جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ کا سارا نظام اس طرز پہ دھند دلمیں آیا ہے کہ اس کے تحت برائی کرنے والوں کو آخرت میں بہرحال برے نتائج کا سامنا کرنا ہوگا اور بھلائی کرنے والوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے آخری نتیجہ بھلائی ہوگا۔ یہ سمجھ لو کہ خدا کی بارگاہ میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک کے گناہوں کا بار اس سے ٹل کر دوسرے کے کندھوں پر لد جائے بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ جو کچھ کسی نے کارگزاری انجام دی ہو، اس کا حساب اسی کو ملے اور عین اس کارگزاری کے مطابق ملے، نہ کم نہ زیادہ [1] چنانچہ نوعِ انسانی کے ہر فرد کے سامنے اس کی پوری کمائی لا رکھی جائے گی کہ یہ ہے تیرا حاصلِ حیات۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور آخر کار تمہاری پیشی اللہ کے سامنے ہو کے رہے گی۔ وہ گھڑی ہر حال آنے والی ہے جس کا آنا مقدر ہے۔ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ آخر اس میں اچنبھے کی بات کیا ہے؟

اب دیکھئے یہ ہے سلسلۂ کلام ——— لیکن مارکسی مفسرین اس سارے سلسلہ کو کنوئیں میں ڈال کر اس میں سے ایک ٹکڑا لیس للانسان الا ما سعیٰ کا الگ کر لیتے ہیں اور پھر اس میں وہ معنی داخل کرتے ہیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس طرزِ تفسیر کے موجدین کو چاہیئے یہ تھا کہ وہ اس ٹکڑے کے بجائے اپنی توجہ "لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" پر صرف کرتے، اور اس کی تفسیر یہ فرماتے کہ اسلام نے حکم دیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے یعنی کسی نوکر، کسی ملازم، کسی پیشہ ور، کسی مزارع، کسی مزدور کی محنت خریدنا یا کسی سے بالمعاوضہ کام لینا ممنوع ہے۔ ہر شخص اپنا کام خود کرے۔ پھر دنیا کو بتایا جائے کہ دیکھئے کہ اسلام نے کس طرح انتفاع (EXPLOITATION) کے خلاف آواز بلند کی ہے اور سرمائے کی گردن ماردی ہے۔ ہر شخص کے لئے محنت کرنا لازم ٹھیرا دیا ہے، وغیرہ۔ اس طرح کی فلسفہ طرازیاں اگر کی جانے لگیں تو قرآن میں سے دنیا کا ہر فلسفہ اور ہر نظام برآمد کیا جا سکتا ہے۔

مارکسی فلسفۂ ملکیت کا دوسرا سہارا قرآن کا یہ ٹکڑا ہے کہ "للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن"۔ اس کی مارکسی تفسیر یہ ہے کہ مردوں کے لئے صرف وہ اموال و املاک جائز ہیں جن کو وہ خود اپنی محنت سے کمائیں اور عورتوں کے لئے صرف وہ اموال و املاک حلال ہیں جن کو وہ خود محنت سے

---

[1] یہ وہی مفہوم ہے کہ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ نیز ایک پہلو سے وہی بات یہاں دوہرائی گئی ہے جسے دوسرے موقع پر وھم لا یظلمون کے الفاظ سے واضح فرمایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمائیں۔ باقی سب کچھ حرام۔

اس تفسیر کا بھرم بھی اسی صورت میں قائم رہتا ہے جبکہ آگے پیچھے کے سلسلۂ کلام سے قطع نظر کیا جائے، ورنہ فلسفہ طرازی کا سارا محل زمین پر آرہتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء :۔

ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علیٰ بعض ط للرجال نصیب مما اکتسبوا ط وللنساء نصیب مما اکتسبن ط واسئل اللہ من فضلہ ط ان اللہ کان بکل شیئ علیما ٭

یعنی تم کو (مردوں اور عورتوں کو) ایک دوسرے پر جو فضیلت رزق دی گئی ہے، اس پر رشک و حسد نہ کرو ــــ بلکہ اپنے اپنے جائز حاصل کردہ املاک پر اکتفا کرو ــــ مرد جو کچھ کماتے ہیں اس کے مالک مرد ہیں۔ اور عورتیں جو کچھ کمائیں اس کی مالک عورتیں ہیں۔ اور تم دوسروں کے رزق پر نگاہ ڈالنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنا رزق طلب کرو جیسے کہ اس کا طریقہ ہے۔ خدائے علیم تمہاری ضروریات اور تمہاری مساعی پر پوری نگاہ رکھنے والا ہے۔

کلام کا منشا ذیل کی دو باتیں ہیں :۔

(۱) آپس کے تفاوتِ رزق سے تم کو حسد و رشک کے جذبے (اور ایک دوسرے کی حق ماری کی کوشش) میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ تمہیں دوسروں کے رزق پر نگاہ رکھنے کے بجائے خود اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرنا چاہیے۔

(۲) عورتوں کو اپنے اموال[۱] و املاک پر اسی طرح مالکانہ حقوق حاصل ہیں جیسے مردوں کو ان کے اموال و املاک پر۔

آپ کہتے ہیں کہ نہیں یہاں ایک تیسری بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ ملکیت صرف وہ جائز ہے جو اپنی محنت کا نتیجہ ہو۔ لیکن ذرا تکلیف فرما کر آگے کی عبارت پڑھیے، لکھا ہے کہ ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون، یعنی ہم نے ہر متوفیٰ کے ترکے کے لئے اس کے والدین اور اعزہ و اقربا کو حقدارِ میراث ٹھیرا دیا ہے۔

کیا اس آیت نے آپ کے معنی کو ختم نہیں کر دیا؟

---

[۱] اس آیت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اس میں عورتوں کے مستقل حقِ ملکیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ ان کی ملکیت مردوں کے واسطے سے نہیں، بلکہ بلا واسطہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر آگے آتا ہے کہ : الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم۔ یہاں "انفقوا من اموالھم" کا ٹکڑا صاف بتا رہا ہے کہ مرد اپنی محنت کی کمائی کو اپنی اپنی بیویوں کی ضروریات پر خرچ کرتے ہیں، اور عورتوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ڈال کر ان کو اس سے بے نیاز ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اپنی ہی محنت سے بہم پہنچائیں۔ یہ دوسری تردید ہے جو اس غلط مفہوم کی نفی کرتی ہے۔

یہاں ان آیات پر تفصیلی کلام کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان کو مارکسی فلسفۂ ملکیت کے علمبرداروں نے بازاری منطق کے نیلام گھر کا مال بنا دیا ہے۔ وہی صورت کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد"

اسلام مارکسی فلسفۂ ملکیت کی تائید نہیں کرتا اور اس کے ہاں ایسا کوئی اصول نہیں ہے کہ صرف محنت وسیلۂ ملکیت ہے۔

اسلام میں حصولِ ملکیت کے مباح دروازے حسب ذیل ہیں :۔

(۱) **قبضۂ ابتدائی** ـــــــ کرۂ ارضی پر جو کچھ ذرائع و وسائل پھیلے ہوئے ہیں اُن میں سے کسی غیر مقبوضہ و غیر مملوکہ چیز پر سب سے پہلے قبضہ کرنے والا انسان حقوقِ مالکانہ حاصل کرتا ہے۔ بلا لحاظ اس کے کہ اُس چیز کی مقدار کیا ہے۔

اس معاملے میں دولت کی جن اقسام کو اسلامی قانون کے تحت نبی صلعم نے غیر ملکیتی قرار دے دیا ہے، مثلاً ہوا، پانی وغیرہ، ان پر انفرادی حقوقِ مالکانہ تسلیم نہ ہوں گے۔ یا مثلاً جنگلات اور چراگاہوں کی انفرادی ملکیت کے خلاف صراحت موجود ہے، لہٰذا ان کا معاملہ مستثنیٰ رہے گا۔

ایسے چند استثنائی موجودات کو چھوڑ کر بقیہ میں سے جس کسی پر ایک فرد پہلے قابض ہو جائے گا وہی اس کا مالک ٹھہریگا۔

(۲) **ایجاد** ـــــــ ایک فرد ذہنی کاوش سے (جو محنت کی ایک قسم ہے) کسی چیز کا انکشاف کرتا ہے یا کوئی آلہ کار ایجاد کرتا ہے تو وہ چاہے بالکل اتفاقی حادثے کے ذریعے ہی کیوں نہ اُس پر قادر ہوا ہو، اُس کے حقوقِ مالکانہ حاصل کر لے گا۔

اسی ذیل میں ادیبوں، صحافیوں، شاعروں، مقرروں اور صناعوں کی وہ تخلیقاتِ فکر آتی ہیں جن کو وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول اول وجود دیتے ہیں اور جن کے ابتدائی نمونے وہ دُنیا کو فراہم کرتے ہیں۔

چنانچہ انکشافات اور ایجادات اور فنی شاہکاروں کی قیمتیں وصول کرنے کا حق اسی طرح موجدوں اور اہلِ فن کو حاصل ہوتا ہے جیسے عام لوگوں کو زمین، مکان، گھوڑے اور سائیکل کا معاوضہ لینے کا حق ہوتا ہے اسی حق کی بنا پر "کیمیاوی نسخے" اور "حکیمانہ راز" جو ظاہر محض کاغذ کے پرزے یا چند الفاظ کے جملے ہوتے ہیں لاکھوں پونڈ میں بکتے ہیں۔

(۳) محنت و تصرف ـــــ کسی مادی وجود کو جب صنعتی عمل کے بعد انسانی ضروریات میں استعمال کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے تو شئے مصنوعہ کی ملک محنت و تصرف کرنے والے[1] کو از خود حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے درخت کاٹا اور اسے ایندھن یا تعمیر میں کام آنے کے قابل بنا دیا، کسی نے کچے لوہے کو تیار کیا اور اس سے کدال یا تلوار یا ٹائپ رائٹر مشین تیار کر دی تو اسے اپنے نتیجۂ صنعت پر مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے۔

لیکن یہ مالکانہ حقوق صرف اس صورت میں حاصل ہوتے ہیں جب کہ ابتدائی جنس خام کو صانع نے خود حاصل کیا ہو اور پھر اس پر خود محنت کی ہو، لیکن اگر جنسِ خام پر ابتدائی قبضہ دوسرے نے کیا یا اس پر محنت کئی آدمیوں نے مشترک طور پر صرف کی، یا پہلے ایک اسٹیج پر کسی محنت کار نے اولین محنت کر کے حقوقِ مالکانہ حاصل کرنے کے بعد دوسرے اسٹیج کی محنت کے لئے اسے دوسرے محنت کار کے سپرد کیا، یا ایک شئے خام اپنی تکمیل کے لئے صرف محنت ہی کی نہیں سرمائے کی بھی مقتضی تھی اور سرمایہ صرف کر کے کسی نے اس پر حقوقِ مالکانہ پہلے حاصل کر لئے تو ان ساری صورتوں میں محض ایک شخص کی محنت اسے حقوقِ مالکانہ نہ دلوا دے گی۔

اس قسم کے حالات میں دراصل ایک محنت کار اپنی محنت کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر کے نقد معاوضہ لے لیتا ہے یا سرمایہ و محنت کے نتائج میں کسی تناسب سے حصہ داری کر لیتا ہے۔

بہرحال محنت و تصرف حقوقِ مالکانہ کے حاصل کرنے کا ایک بڑا راستہ ہے، لیکن صرف یہی ایک راستہ نہیں۔ محنت و تصرف سے اگر پورے نتیجۂ کار پر مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں تو بھی جو معاوضہ لیا جاتا ہے بہرحال

[1] مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ جس نے ایک مردہ (بیکار) زمین کو زندہ (کارآمد) بنایا تو وہی اس کا مالک بھی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر محنت کار کو حقوقِ مالکانہ محنت ہی کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

مارکسی فلسفے کی زیادتی یہ ہے کہ اُس نے صرف ایک ہی راستے کو برحق کہا اور دوسرے راستوں کی نوعیتِ خاص کی بھی تاویل کر کرا کے سب کو ایک ہی عنوان کے تحت داخل کر دیا۔ مثلاً سرمائے کو محنت کاروں کی صرف کردہ سابق محنت کا جمع شدہ جوہر ثابت کیا اور دعویٰ یہ کیا کہ خود سرمایہ بھی محنت ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے اور اس پر بھی حقوق محنت کاروں ہی کے قائم ہونے چاہئیں! اس طرح کی تاویلاتِ فکر سے تو دن کو رات اور رات کو دن ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(۴) توارث ـــــــ اسلام میں حقوقِ مالکانہ حاصل کرنے کے جائز راستوں میں سے ایک بڑا راستہ توارث کا ہے۔ یعنی ایک شخص کے نتائجِ محنت میں سے جو کچھ املاک اس کی موت پر اس کے ترکے میں رہ جائیں ان کے حقوقِ مالکانہ قانونِ اسلامی کے مطابق اس کے اقربا کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

اسلام کا قانونِ وراثت خود اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ ملکیت کا دارومدار تنہا محنت پر ہے۔

پھر توارث کے دروازے سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے پاس کئی کئی متوفیوں کے ترکے آکے جمع ہو جائیں اور وہ بڑا مالدار بن جائے، اور اس پر کمیونزم کے ماتھے پر بل پڑ جائیں کہ ایک شخص کے پاس اتنی دولت کیوں؟ لیکن اسلام اسلام ہے، کمیونزم نہیں! اسلام میں توارث ایک جائز ذریعۂ ملکیت ہے۔

(۵) ادائے قیمت (تبادلہ) ـــــــ یہ بھی اسلام میں ایک بہت بڑا ذریعۂ ملکیت ہے۔ آپ اپنی زمین دے کر دوسرے کی موٹر لے سکتے ہیں، آپ باغ کے بدلے میں مکان حاصل کر سکتے ہیں، آپ مکان دے کر سونا چاندی یا جواہرات خرید سکتے ہیں، آپ محنت بیچ کر روپیہ لا سکتے ہیں اور روپیہ صرف کر کے محنت حاصل کر سکتے ہیں، آپ دوسروں کی املاک کے حقوقِ استعمال اور حقوقِ انتفاع کو کرایہ یا معاوضہ ادا کر کے خرید سکتے ہیں۔ آپ دماغی قوت صرف کر کے دوسروں کی جسمانی محنت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اسی طرح اپنی جسمانی محنت کے عوض میں دوسروں کی دماغی قوت یا اس کے نتائج مول لا سکتے ہیں۔ یہ سب حلال صورتیں ہیں، ان میں سے کوئی حرام نہیں۔

(۶) قبولِ ہدیہ و صدقہ ـــــــ مسلم سوسائٹی میں ہدیہ، عطیہ اور صدقہ کا راستہ بھی حصولِ ملکیت کا بہت بڑا راستہ شمار ہوتا ہے۔ دولت کی بے شمار مقدار ہے جو صدقاتِ واجبہ و نافلہ اور ہدایا و عطیات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعے ایک صالح معاشرہ کے اوپر کے طبقے سے نیچے کے طبقے کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ بے شمار لوگ محنت کئے بغیر دوسروں کے نتائجِ محنت پر حقوقِ مالکانہ حاصل کرتے ہیں۔

ان شش گانہ ذرائعِ حصولِ ملکیت کو اسلام کے قانون و اخلاق نے قطعاً جائز قرار دیا ہے اور ان میں سے کسی کو ناجائز قرار دینے کا حق نہ رائے عام کو ہے، نہ پریس کو، نہ سیاسی پارٹیوں کو، نہ اسٹیٹ کی اسمبلی کو ——— چاہے کتنے ہی مارکس دانت پیستے رہیں اور کتنے ہی اسٹالن پیچ و تاب کھاتے رہیں۔

اسلام میں مساواتِ ملکیت کوئی اصول نہیں

"قومی ملکیت" کے نظریئے کے لئے وجہ جواز جن دلائل سے گھڑی گئی ہے، اُن میں سے ایک مساواتِ ملکیت بھی ہے۔

مساواتِ ملکیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ تمام ملک کی دولت اجتماعی قرار پائے اور تمام افراد اس کے حقوقِ مالکانہ میں مساوی طور پر حصہ دار ہوں، اور اس دولت کا جو حصہ ان کے انفرادی قبضے میں دیا جائے وہ ہر فرد کو برابر برابر ملے۔

"یک عروس و شوہرِ او ما ہمہ"

یعنی زمین سب کی زمین، باغ سب کا باغ، ریل سب کی ریل، ہوٹل سب کا ہوٹل، حوض سب کا حوض، اور اسکول سب کا اسکول ہو۔

لیکن عملاً اس فلسفے کے علمبرداروں کا قائم کردہ نظام اس کے بالکل برعکس ہے، یعنی زمین سب کی زمین کہلاتی ہے، لیکن اس کی پیداوار سے مختلف درجے کے لوگوں کو مختلف مقداروں میں حصہ ملتا ہے، باغ سب کا باغ ہوتا ہے لیکن اس کے پھل کچھ کو زیادہ ملتے ہیں، کچھ کو کم اور کچھ کو صفر۔ اسی طرح ہر اجتماعی ملکیت کے حقِ انتفاع اور حقِ استعمال میں افراد کے لئے عملاً عدمِ مساوات ہے، پھر ان کی انفرادی املاک میں بھی تفاوت ہے، معاوضے مختلف ہیں، لہٰذا املاک کی مقداریں اور درجات بھی مختلف ہیں۔

صاف سیدھی بات ہے کہ جب صلاحیتوں اور قوتوں میں مساوات نہیں تو آخر محنت اور کارکردگی میں کیسے مساوات ہوگی اور محنت اور کارکردگی میں مساوات نہ ہوگی تو معاوضوں میں کیسے برابری ہو سکے گی، اور معاوضوں میں برابری نہ ہو تو مساواتِ ملکیت کہاں سے آ جائے گی؟ املاک میں تفاوت ناگزیر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ممکن نہیں کہ اگر ایک شخص کے پاس موٹر ہو تو لازماً ہر فردِ مملکت کے پاس موٹر ہو، ایک کتاب خریدے تو ہر فرد کتاب خریدے، ایک کی رہائش چار کمروں کے مکان میں ہو تو لازماً ہر فرد کو چار کمروں والا مکان ہی فراہم کیا جائے۔

پھر اس مساواتِ ملکیت میں ذوق اور رجحان کا اختلاف بھی مانع ہے۔ آپ دو شخصوں کو ایک ہی سا معاوضہ دیجئے، لیکن دونوں کا ذوق ان کے املاک میں فرق پیدا کر دے گا۔ ایک رقم کو استعمالی اشیا پر اڑا دیتا ہے، دوسرا اسے ذرائع پیداوار کے حاصل کرنے پر صرف کرتا ہے۔ ایک اس سے کارخانہ لگاتا ہے، دوسرا زمین خریدتا ہے۔ ایک ہاتھ روک کر خرچ کرتا ہے، دوسرا کشادہ دستی سے اڑاتا ہے۔ ایک اپنی ضروریات کی فکر کرتا ہے، دوسرا صدقہ و ہبہ کرتا ہے۔ اس طرح املاک میں تفاوت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے ــــــ الا یہ کہ آپ افراد سے ذوق و رجحان کی پوری آزادی کو ایک ہمہ گیر سیفٹی ایکٹ نافذ کر کے متشددانہ طریق سے سلب کر لیں ــــــ لیکن اس قسم کی زیادتی دیر تک اپنا عمل جاری نہیں رکھ سکتی۔ انسانی فطرت اس کے خلاف لڑے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اسلام نے اس آزادی کو سلب نہیں کیا ہے، لہٰذا اس کے نظام میں مصنوعی مساواتِ ملکیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ فطری تفاوت برقرار رہتا ہے۔ پھر اس نے ملکیت کے حصول کے جو جائز دروازے کھلے چھوڑے ہیں وہ بھی غیر فطری مساوات کے مدعیوں کے دعوے کی تردید کرتے ہیں۔

مارکس کے مومنین مارکسزم کے لئے جب قرآن کی آیات کی جراحی کرنے لگتے ہیں تو مساواتِ ملکیت کا غیر فطری اصول وہ سورۂ نحل کی ایک آیت سے اخذ کر کے دکھاتے ہیں لیکن ان حضرات کی تاویل بازی اتنی احمقانہ ہوتی ہے کہ آدمی سر پیٹ کے رہ جاتا ہے۔ جس آیت کو ہدف بنائیں گے اسے پورے سلسلۂ بیان سے اس طرح کاٹ کر الگ کر لیں گے جس طرح ایک جسم نامی سے کوئی عضو قطع کر کے الگ رکھ لیا جائے۔ پھر اس عضو پر ساری بحثیں ہوں گی اور جس جانور سے چاہیں گے اس کا جوڑ ثابت کر دیں گے۔

ان کی بلا جانے کہ سورۂ نحل کا پورا سلسلۂ مضمون اور عمودِ بحث کیا ہے۔ ان کی سات پشتوں میں کسی نے اس سورہ کو سمجھ کر اور اس کے ربطِ مطالب کو ذہن نشین کر کے مطالعہ نہ کیا ہو گا۔ لیکن یہ اٹھیں گے اور اس کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت کی تفسیر کرنے کے لئے فصاحت و بلاغت کے منبر پر جا تشریف رکھیں گے اور پھر تاویل کے خراد پر رکھ کر کلام الٰہی کا ستیاناس کریں گے۔

سورۂ نحل مرکزی مفہوم کے لحاظ سے معاشی مسائل سے بحث نہیں کرتی (اگرچہ اس میں بعض مواقع سے معاشی مسائل کے لئے اشارات ملتے ہیں) بلکہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت والٰہیت کی توحید کا اثبات مظاہر کائنات سے کرکے دکھانا اس کا عمودِ کلام ہے۔ اور اس موضوع کے لحاظ سے وہ مشرکینِ مکہ کے نظریات و مسلک کی تردید کرتی ہے۔

چنانچہ پیرایۂ آغاز سے ہی انعامات الٰہی اور نظام کائنات کے اہتمام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جس سے خدائے واحد کے لاشریک ہونے اور اس کے حقوق میں کسی کے حصہ دار نہ ہونے کا مسئلہ واضح کرنا مطلوب ہے۔ تخلیقات الٰہی کا ذکر کرنے کے بعد فوراً ایک سوال سامنے لایا جاتا ہے کہ "افمن یخلق کمن لایخلق"؟ —— کیا وہ جو پیدا کرنے والا ہے اُس جیسا (یعنی اس کے برابر اور اس کی شراکت کا روادار) ہوسکتا ہے جو کچھ پیدا کرنے والا نہیں ہے؟ اس سوال کے ساتھ ہی فرمایا جاتا ہے کہ "افلا تذکرون"؟ —— کیا تم غور و فکر کرتے ہی نہیں؟ بس پوری سورت میں جگہ جگہ یہی روح کارفرما ہے کہ تم سوچنے کی قوتوں سے کیوں کام نہیں لیتے۔

یہی سلسلہ کلام جب شباب پر آتا ہے تو اس موقع پر مثبت دعوت سامنے رکھی جاتی ہے جس کی طرف بلانا سورت کا اصل مقصد ہے یہ کہ "وقال اللّٰہ لاتتخذوا الٰھین اثنین ج انما ھو الٰہ واحد ج فایای فارھبون ○ ولہ ما فی السمٰوٰت والارض ولہ الدین واصبا ط افغیر اللّٰہ تتقون"؟

دعوت یہ ہوئی کہ ایک سے زائد "الٰہ" نہ تسلیم کرو۔ اللہ تو ایک ہی الٰہ ہے۔ پس مجھی سے ڈرو۔ اسی کی ملکیت میں ہیں زمین و آسمان کی ساری موجودات، اور اُسی کا حق دوامی ہے۔ تو پھر اللہ کے سوا آخر تم کو اور کس کے جبروت سے خوف و مرعوبیت لاحق ہے؟

اس کے بعد حسب ذیل باتیں ایک تسلسل سے آتی ہیں:-

(۱) تمہارے قبضے میں جو کچھ نعمتیں ہیں سب اللہ کی عطا کردہ ہیں، اور جب تم کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اسی کے حضور فریادی ہوتے ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریکِ ربوبیت والہیت بنانے لگتے ہو۔

(ج) اور ان کے لئے آسمانی علم سے آزاد ہو کر اپنی روزی میں سے نذرانے ٹھیراتے ہو۔

(د) خود بیٹیوں سے نفرت کرتے ہو اور اللہ کے لئے فرشتوں کو بیٹیاں قرار دیتے ہو۔

(س) اس معاملے میں لوگوں کی اصلاح کے لئے ہم نے ہمیشہ رسول بھیجے لیکن وہ شیطان کی خوش نمائیوں

میں گم ہو رہے۔

(ش) تمہارے لئے چوپایوں میں نشاناتِ عبرت ہیں، جن کے بدن میں لہو اور گوبر بننے کے ساتھ ساتھ

تمہاری مرغوب غذا دودھ بنتا ہے۔

پھر کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں سامانِ بصیرت ہے جن سے ضروریات بناتے ہو۔

پھر خدا ہی نے شہد کی مکھی کو وحی کے ذریعے یہ بصیرت دی ہے کہ وہ چھتہ بناتی ہے اور رنگارنگ شہد کو

پھول پھول کے رس سے جمع کرتی ہے۔

پھر وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں خلق کیا اور پھر تم میں سے بعض پر جوانی میں اور بعض پر ارذلِ عمر میں

داخل کرنے کے بعد موت وارد کرے گا۔

(اب اس سلسلۂ کلام میں مارکسی حضرات کی آیتِ مساوات آتی ہے)

(ص) اور اللہ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملے میں فضیلت دی ہے۔ تو پھر جن کو

فضیلت دی گئی ہے وہ اس بات پر ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتے کہ اپنے ملوکہ رزق کو اپنے غلاموں

کے حوالے کر دیں اور اس طرح باہم برابر ہو جائیں ـــــــ پھر کیا وہ اللہ کی نعمتِ

رزق کے منکر ہیں؟

ذرا غور فرمایئے کہ اوپر کے سلسلۂ کلام کی مناسبت سے موضوع سے نکلتا ہوا مفہوم اس

موقع پر کیا اخذ ہوتا ہے؟

صرف یہ کہ جیسے آقا اپنے غلام کو اپنا شریک نہیں ٹھیرا سکتا اور اپنی املاک کا اسے مساویانہ مالک نہیں

بنا سکتا، بالکل اسی طرح اگر یہ مشرکین ذرا غور کریں تو انسانی زندگی کے ان مظاہر سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اپنے کسی مخلوق ومملوک کو اپنی خدائی اور اپنی مخلوقات کی ملکیت اور اپنے حقوق واختیارات میں شریک بنانے پر تیار نہیں ہے جس بات کو وہ اپنے لئے معمول بنائے ہوئے ہیں، اللہ کے لئے یہ اسی کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟

"اللہ کی نعمتِ رزق سے کیا وہ منکر ہیں" کے ٹکڑے کا مفہوم یہ ہے کہ کیا وہ اپنی معبوضہ نعمتِ رزق کے بارے میں مالکانہ دعوے سے دست بردار ہو سکتے ہیں اور اپنے املاک سے انکار کر سکتے ہیں کہ یہ ہمارا نہیں ہے؟ اگر وہ اپنے املاک (جو اللہ کی نعمت ہیں) کی ملکیت (خود یہ ملکیت کا حق بھی نعمتِ الٰہی ہے) کے دعوے پر جمے رہتے ہیں اور اسے دوسروں سے تسلیم کراتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور املاک کے بارے میں ملکیت بلا شرکتِ غیرے کے دعوے سے دست بردار ہو جائے۔[۵۱]

گویا یہاں انسانی زندگی سے ایک مثال لے کر اس سے استدلال کیا گیا ہے لیکن مثال یہی ایک نہیں بلکہ آگے دو اور مثالیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ ان کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ تینوں سے مجموعی طور پر نتیجہ کیا اخذ ہوتا ہے:-

(۲) دوسری مثال میں دو شخصوں کو متقابلاً پیش فرمایا کہ ایک طرف تو عبدِ مملوک ہے جو اپنے جیسے ایک مخلوق کے بس میں ہے، نہ اس کے پاس کوئی املاک ہیں، نہ اختیارات —— اور دوسری طرف ہمارا وہ بندۂ آزاد ہے جسے اختیارات بھی حاصل ہیں اور ہماری طرف سے رزق بھی فراہم ہے اور وہ پوری آزادی سے اس رزق کو سراً اور علانیۃً صرف کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اس مثال سے بھی جو دلیل اخذ کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تمہارے وہ معبود ہیں جو خود اصل آقا کے مخلوق ومملوک، اور بے بس وبے اختیار ہیں، اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ہے جو پورے اختیارات رکھتا ہے اور پوری املاک کا مالک ہے۔ تم ان دونوں کو آخر کیسے شریک گردانتے ہو؟[۵۲]

---

۵۱ واضح رہے کہ اس مثال کو بیان کرنے سے قبل فرمایا کہ "فلا تضربوا للہ الامثال" اللہ کے لئے تشبیہات نہ گھڑو، کیونکہ اللہ اگر اپنے بارے میں کوئی تشبیہی مثال دیتا ہے تو وہ علم کے ساتھ دیتا ہے اور تم اس کی حقیقت وماہیت کا علم نہیں رکھتے۔ اس انتباہ کے بعد جو مثال پیش کی گئی ہے وہ لازماً خود اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوگی، چنانچہ متصلاً یہ فرما کر مثال کو شروع کیا کہ "ضرب اللہ مثلاً" یعنی "اللہ تعالیٰ نے خود یہ مثال دی ہے"۔ پس آیۃ محض بندوں کے مسائل سے متعلق نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہی کی توحید کی وضاحت کے لئے ہے۔

۵۲ اسی مضمون کو سورۂ روم کی آیت "ضرب لکم مثلاً من انفسکم" میں ملاحظہ فرمائیے، وہاں بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) دوسری مثال میں فرمایا کہ دو شخص ہیں، جن میں سے ایک گونگا اور ناکارہ ہے اور اس کی ذمے داری کا بوجھ اس کے مالک پر ہے، وہ مالک اسے اگر کسی کام پر مامور کرتا ہے تو وہ ناکارہ پن کی وجہ سے کچھ سنوارنے کے بجائے بگاڑتا ہے، دوسری طرف ایسا صحیح القویٰ شخص ہے جو عدل کے ساتھ حکم چلانے والا اور راست رو ہے۔ کیا ان دونوں کو مساوی قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہاں پھر پہلی بات ہی پر ایک اور مثالی دلیل دی گئی ہے کہ مخلوق جو بے بس ہے اور جس کی بقا خود اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر منحصر ہے، کجا وہ اور کجا خود اللہ تعالیٰ جو حق کے ساتھ کائنات پر کارفرما ہے۔

یہ تینوں مثالیں براہِ راست توحید و شرک کے مسئلے سے تعلق رکھتی ہیں جو پوری سورۂ نحل کا مرکزی موضوع اور عمود ہے۔

ان مثالوں کے بعد پھر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تسلسل سے چلتا ہے، اور آگے قیامت کا ذکر کرتے ہوئے کفر، ظلم اور شرک کی راہ چلنے والوں کو انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ وہ موقع ہے جہاں بات "ویوم نبعث من کل امۃٍ شھیداً" سے شروع ہوتی ہے، اور جہاں "واذا رأ الذین اشرکوا شرکاءھم" کہہ کر مشرکین کو خاص تنبیہ کی جاتی ہے۔

پھر یہ حضرات یہ نہیں سوچتے کہ جب نعمتوں کا سلسلۂ بیان چل رہا ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلتِ رزق دی ہے، یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ ایک قابلِ شکر مقام ہے نہ کہ تذکرہ کسی مفسدہ کا ہے۔

درحقیقت "تفاوتِ رزق" کا موجود ہونا تمدن کی بقاء کے لئے ناگزیر ہے۔ یہی وہ چیز ہے کہ جو سرمایہ و محنت کے درمیان ربط کی، اور پورے نظامِ تبادلہ کی اور معاشی پہلو سے تعلق رکھنے والے تمام اخلاقی فضائل کی واحد محرک ہے۔ جیسے کہ اس حکمت و مصلحت کو خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ زخرف میں بیان فرما دیا کہ "اھم یقسمون رحمۃ ربک؟ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعضٍ درجٰت لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا"۔ یعنی رزق کی تقسیم کرنے والے یہ (منکرینِ حق) نہیں ہیں، بلکہ ہم ہیں جو ان کے درمیان خود دنیوی زندگی کے لئے معاشیات کی تقسیم کر رہے ہیں، اور تفاوت کا نظام ہم ہی نے رکھا ہے کہ مختلف پہلوؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے۔ اس تفاوت کا منشا یہ ہے کہ لوگ باہم ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔

گویا تفاوت[1] ہی موجب ہے تعاون و تبادلہ کا، ورنہ انسانی زندگی اجتماعی اور تمدنی نہ ہوتی، بلکہ انفرادی اور حیوانی ہوتی۔ کوئی انسانی تمدن تفاوتِ رزق سے بالکل پاک نہیں ہوسکتا، چنانچہ مارکس کے مومنین بھی جب اپنا عملی معاشرہ قائم کرنے چلے تو ان کی خیالی جنتوں کے سارے محل اور مینار زمین پر آ رہے۔

اگر مساواتِ رزق کا اصول کوئی شرعی وجوب اپنے ساتھ رکھتا تو نبی صلعم اور حضرت عثمان میں تفاوتِ رزق نہ ہوتا، اور ہوتا تو حضرت عثمان کا مقام نبی صلعم کے اولیں مقربین میں نہ ہوتا بلکہ مبغوضین میں ہوتا۔

دورِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کی سوسائٹی میں تفاوتِ رزق کی فطری حالت عملاً قائم رہی اور کسی کو یہ گمان بھی نہ گزرا کہ آیت "واللہ فضل بعضکم" کی رو سے یہ نظام کفرانِ نعمت کا نظام ہے۔ نہ مسلم رائے عام نے اس نظام کو باطل سمجھ کر اس کے خلاف کوئی تردیدی اقدام (REVOLT) کیا، بلکہ محققین و مفکرینِ امت کا اس معاملے میں اجماع ہے کہ وہ نظام نظامِ حق تھا۔

روکا جس چیز کو گیا وہ یہ تھی کہ تفاوتِ رزق کو غیر فطری (منکر) ذرائع سے فطری معیار سے زائد حد تک مصنوعی طریق سے بڑھایا نہ جائے، چنانچہ املاک پر اسلام کے اخلاقی حدود جاری رہے اور تفاوتِ رزق اپنی حدِ اعتدال پر قائم رہا۔ بعد میں دورِ ملوکی نے اسے فطری سطح سے ہٹا کر غیر فطری حدود تک وسیع کر دیا۔

ایک اور استدلال مساواتِ ملکیت کے حق میں "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" سے بھی کیا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس پر پوری نوعِ انسانی کا مساویانہ حقِ انتفاع قائم فرمایا ہے اور اس کی ملکیت تمام افراد کے لئے مساوی ہونی چاہئے، جس کے لئے واحد عملی صورت قومی ملکیت کی ہوسکتی ہے "ولکم فی الارض مستقرٌ ومتاعٌ الی حین" سے بھی یہی استدلال کیا جاتا ہے۔

---

[1] یہ فطری تفاوت کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نعمت قرار دیا ہے، لیکن ناجائز استحصال سے جو غیر فطری تفاوت انسانی تمدن میں رونما ہوجایا کرتا ہے وہ چیزے دیگر ہے اور اس کی روک تھام کے لئے حصولِ دولت، صرفِ دولت، اور تبادلۂ دولت کا ایک خاص ضابطہ اسلام نے مقرر کر دیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ تم انسان ہی خاندانِ موجودات کے وہ اہم رکن ہو جن کی ضروریات پوری کرنے کے لئے "ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند"۔ ساری دُنیا تمہارے لئے اور تم اللہ کے لئے۔ اس کے معنی کسی طرح بھی یہ نہیں نکالے جا سکتے کہ تمام اموال واملاک پر ملکیت پوری نوع کی تسلیم کی جانی چاہیئے، یا یہ کہ جتنی املاک ایک آدمی کے پاس ہوں اتنی ہی ہر دوسرے شخص کے پاس بھی ہونی چاہئیں۔ ایک کے پاس کمبل ہو تو سب کے پاس کمبل ہوں اور ایک کو لحاف ملے تو ہر فرد کے قبضے میں ایسا ہی لحاف ہونا چاہیئے۔ ایک موٹر گاڑی خرید لے تو بقیہ تمام لوگوں کو سائیکلیں، بیل گاڑیاں، تانگے آگ میں جھونک دینے چاہئیں کہ لاؤ ہمیں بھی موٹر گاڑی دلواؤ۔ ایک لکھ زمین ہو تو دوسروں کو بھی اتنی ہی زمین ملے اور ایک کارخانہ کھولے تو دوسرے بھی ایسے ہی کارخانے کھول لیں۔ یہ فضول خیال آرائی آخر کیسے ثابت ہو جاتی ہے؟

دوسری بات آدم و حوا کو ارضی زندگی کی سرحد پار کراتے ہوئے یہ کہی گئی کہ دیکھو تمہاری جنت سے علیحدگی عارضی ہے اور تمہارا زمینی دور آزمائش کا ہے۔ وہاں تمہیں ایک محدود زمانے کے لئے قیام کرنا ہے اور اسباب وقویٰ سے تا مدتِ حیات استفادہ کرنا ہے۔ اسی لئے دوسرا جزء کلام کا یہ ہے کہ فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ میں جو ضابطہ مقرر کروں اس پر چلو گے تو زندگی میں امن رہے گا اور آخرت میں حُزن و ملال سے بچ سکو گے۔

بہرحال "مساواتِ رزق" یا مساواتِ ملکیت کا نظریہ اسلام کے فریم میں لاکے فٹ کرنا ہو تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ پورے قرآن کو اس کی اپنی کسی ایک ہی آیت سے منسوخ کر ڈالئے، پورے ذخیرۂ احادیث کے خلاف کسی ایک روایت کو لڑا دیجئے، اصحابِ نبی کی پوری سوسائٹی سے کسی ایک صحابی کے قابلِ تاویل قول کی ٹکر لڑا دیجئے، پوری تاریخ کی تردید کسی ایک جزئی واقعہ سے کر ڈالئے۔

عین یہی فن ہے جسے مساواتِ ملکیت کے مدعی استعمال کرتے ہیں۔

آپ سوچیئے کہ اگر دنیا کے معروف نظام تفاوت کو ختم کر کے اسلام بالکل نئے سرے سے مساواتِ ملکیت کا نظام قائم کرنے آیا تھا تو اسے زکوٰۃ اور رفے اور وراثت کے مسائل سے کئی گنا زیادہ وضاحت، تصریح اور تشریح اس اصول کی کرنی چاہیئے تھی۔ جیسے اس نے سود کو محو کیا تو اصول سود پر کھل کر بات کی، اس نے شراب کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرام کیا تو وضاحت سے گفتگو کی، اُس نے پردے کا سسٹم قائم کیا تو اس کے لئے پورا استدلال کیا، اس نے کعبہ کی تولیت کا نظام بدلنا چاہا تو کھری کھری سنائیں، لیکن اس اسلام کو ملکیت کے بارے میں کس چیز نے مجبور کیا کہ وہ بات کہے تو ابہام کے پردوں میں لپیٹ کر کہے؟ دنیا کی ایک اہم ترین بنیادی تبدیلی کی علمبرداری اور مبہم کلام اشارات وکنایات میں؟ ——— یہ صورت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔

مارکس تو اپنے نظریئے کے نئے پن کی وجہ سے مجبور ہوا کہ وہ صفحے کے صفحے قومی ملکیت، نظریہ قدر زائد، اور مساواتِ ملکیت کے موضوعات پر کالے کر دے لیکن اللہ تعالیٰ اور نبی صلعم ہی کو یہ ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ ایک بنیادی تبدیلی کے لئے کھلا کھلا تفصیلی استدلال کریں؟

یہ ساری باتیں سوچی جائیں تو ہمارے متجددین کرام کے دعوے اور استدلال ہفوات معلوم ہوتے ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ قرآن اور ذخائرِ دین ان کے نزدیک مذاق کا سامان ہیں، درآں حالیکہ ان کی پوری زندگیاں خود اس قرآن سے آزاد واقع ہوئی ہیں۔ قرآن سے بے نیاز ہو کر جینے والوں کو کیا حق کہ وہ قرآن کے اسرار و رموز پر وعظ فرمائیں۔

(باقی)

بھارت کی لادینی ریاست میں اقامتِ دین کا علمبردار

سہ روزہ "الانصاف" الہ آباد

بھارت میں اقامتِ دین کے علمبردار اسلام کے پیغام کو کس طرح اور کن حالات میں اس سرزمین کے باشندوں تک پہنچا رہے ہیں اور اس سے کیا اثرات ونتائج مرتب ہو رہے ہیں؟ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سہ روزہ "الانصاف" الہ آباد کا مطالعہ فرمائیے۔

علاوہ ازیں "الانصاف" میں آپ کو اسلامی ادب کے شہ پارے۔ واقعاتِ عالم پر بے لاگ تبصرے اور تین دن کی دُنیا بھر کی خبروں کے خلاصے ملیں گے۔

سالانہ چندہ بارہ روپے ششماہی چھ روپے، سہ ماہی تین روپے۔ پتہ دفتر الانصاف نمبر ۱۳۵ شاہ گنج الہ آباد۔ یوپی

نوٹ:۔ پاکستانی خریدار اپنی رقوم ایڈیٹر کوثر لاہور کے نام ارسال فرما کر ہمیں مطلع فرمائیں۔

© rasailojaraid.com